© rasailojaraid.com

اردو داستان "امیر حمزہ" کا مؤلف اول

از ڈاکٹر پروفیسر عبد الخالق بلوچ
شعبۂ اردو جامعہ بلوچستان کوئٹہ

"داستان امیر حمزہ" اردو داستان گوئی کی معراج ہے۔ داستان کا سلسلہ پچاس جلدوں پر مشتمل ہے۔ داستان طبع زاد نہیں بلکہ فارسی داستان کا آزاد ترجمہ اور اس پر بے پناہ اضافہ ہے۔ اردو میں اس داستان کی ابتدائی منتقلی کا سہرا خلیل علی خان اشک کے سر ہے۔ ان سے پہلے اردو میں کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی تھی۔ اشک اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ "اب شاہ عالی جاہ عالم بادشاہ کے عہد میں مطابق سنہ بارہ سو پندرہ ہجری اور سنہ اٹھارہ سو ایک عیسوی کے خلیل علی خان جو متخلص بہ اشک ہے، حسب خواہش مسٹر گل کرسٹ صاحب عالی شاہ والا مناقب نوآموزان زبان ہندی اس قصہ کو اردوئے معلی میں لکھا تاکہ صاحبان ہندیان کے پڑھنے کو آسان ہووے"۔ (۱)

گویا اشک نے سنانے کے لئے اسے تالیف و ترجمہ نہیں کیا، بلکہ نو آمیزانِ اردو کو پڑھوانے کے لئے لکھا ہے۔ اشک کا نسخہ "داستانِ امیر حمزہ" فارسی داستان کے ایک حصہ "نوشیرواں نامہ" کا ترجمہ اور اس پر اضافہ ہے۔ یہ نسخہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) کی طرف سے ۱۸۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔ ۱۸۷۱ء میں محمد عبد اللہ بلگرامی نے نولکشور پریس کے لئے اسے مزید رواں دواں اور آسان زبان میں ترتیب دیا۔ ان کا نسخہ بھی چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۱۸۸۷ء میں شیخ تصدق حسین نے نولکشور پریس کے لئے اس پر نظر ثانی کی اور چار جلدوں میں اپنا نسخہ مرتب کیا۔ چونکہ وہ عربی، فارسی کے عالم تھے اور "فسانہ عجائب" کی مرصع و رنگین نثر سے بہت زیادہ متاثر تھے اور اس لکھنؤ کے تصنع پسند ذوق کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی نثر میں لفظی آرائش، تکلف اور مروج رنگینی سے کام لیا ہے۔ صنائع بدائع، رعایت لفظی، مرصع و مسجع عبارت کے باوجود ان کا نسخہ بہت پسند کیا گیا۔ خلیل علی خان اشک کا انداز بیان سادہ و سلیس اور بے تکلف ہے۔ زبان میں صفائی اور روانی ہے۔ متروک الفاظ بہت کم ہیں۔ ہندی اور فارسی الفاظ کا استعمال زیادہ نہیں۔ دہلی کے ٹھیٹ روزمرہ اور محاورہ کی زیادہ پابندی نہیں کی گئی۔ اردو میں شروع شروع میں یہ داستان چار جلدوں میں تھی۔ اشک، عبد اللہ بلگرامی اور تقدس حسین۔ تینوں کے نسخے چار جلدوں پر ہی مشتمل تھے، نولکشور پریس کے لئے اس سلسلے کو آگے بڑھایا گیا اور

(۱) ارباب نثر اردو (سید محمد) مکتبہ معین الادب۔۔۔ ص ۲۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاشیہ آرائی کی گئی۔ فارسی داستان سے مزید خوشہ چینی اور ترجمہ کے ساتھ ساتھ بے پناہ اضافے کیے گئے۔ لکھنؤ کے مشہور داستان گو میر فدا علی کے شاگرد محمد حسین جاہ نے چار جلدیں "طلسم ہوشربا" کے نام سے مرتب کیں، جو ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۹ء کے درمیان مکمل ہوئیں۔ معاوضے کے جھگڑے نے اس سلسلے کو عارضی طور پر بند کرادیا۔ منشی احمد حسین قمر نے ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۲ء کے دوران تین جلدیں لکھیں۔ انہوں نے مزید دو جلدیں ۱۹۱۱ء میں مکمل کیں۔ نوشیروان نامہ، ہرمز نامہ، ہومان نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایرج نامہ، صندلی نامہ، نورج نامہ، لعل نامہ، آفتاب شجاعت، گلستان باختر، طلسم فتنۂ نور فشان، طلسم ہفت پیکر، طلسم خیال سکندری، طلسم نوخیز جمشیدی، طلسم زعفران زار سلیمانی کے نام سے تصدق حسین اور احمد حسین قمر نے داستان کی توسیع کی۔ اس طرح اشک، عبداللہ بلگرامی، اور تقدس حسین کے ابتدائی چار جلدوں کے بعد ۴۶ جلدوں میں توسیع ہوئی۔ داستان کا یہ سلسلہ بڑے سائز کے تقریباً پچاس ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ "طلسم ہوشربا" اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کے دو مؤلفین ہیں اور جسے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ شہرت اور مقبولیت تو عبداللہ بلگرامی اور تقدس حسین کے نسخوں "داستان امیر حمزہ" کو بھی حاصل ہوئی تھی۔ عبداللہ بلگرامی کا نسخہ تین مرتبہ شائع ہوا اور تصدق حسین کا گیارہ مرتبہ۔ خلیل علی اشک کی داستان "امیر حمزہ" اس سعادت سے محروم رہی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اشاعت فورٹ ولیم کالج سے ہوئی تھی۔ اور بیرون کالج اس کی نشر و اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ اگرچہ تصدق حسین نے داستان کو صاف زبان میں لکھنے کا سہرا عبداللہ بلگرامی کے سر باندھا تھا۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ اشک کی داستان بےحد صاف و سلیس زبان میں لکھی گئی ہے۔ اس میں زبان و بیان کی وہ تمام خوبیاں ہیں جو قصہ گوئی کو پر لطف بنا دیتی ہیں۔ اردو داستان کے نقادوں نے بھی "طلسم ہوشربا" پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی۔ تصدق حسین کی "داستان امیر حمزہ" کی طرف بھی التفات کیا لیکن اشک کے نسخے کی طرف توجہ کی جانی بھی چاہیئے۔ وہ اس سے تقریباً محروم ہی رہا۔ خلیل علی خان اشک نے جس محنت شاقہ سے اردو دنیا کو "داستان امیر حمزہ" سے روشناس کرایا۔ اس کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اس محنت کی پوری پوری داد دی جاتی۔ ستم یہ ہے کہ اشک کے حالات زندگی بھی گوشہ گمنامی میں رہے آئے۔ ادبی دنیا میں ان کو وہ مقام اور شہرت نہ مل سکی جس کے وہ مستحق تھے۔ بعض کتابوں میں ان سے متعلق جو تھوڑے بہت بیانات ملتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں، اشک کی ایک تالیف "انتخاب سلطانیہ" ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۳ء میں لکھی گئی تھی۔ اس کا قلمی نسخہ ۱۵۴ اوراق پر مشتمل ہے۔

اشک نے اس میں اپنا حال یوں لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"حمد و نعت کے بعد یہ احقر العباد محمد خلیل علی خان اشک فیض آبادی کہ تولد اس کا شاہجہاں آباد دلّی ہے۔ لیکن سنِ تمیز کو فیض آباد میں آ کر پہنچا اور علم و ادب موافق اپنے حوصلے کے، تاکید سے بزرگوں کی اور صحبت سے امیروں اور وزیروں کی اس خطہ حسن انتزا میں کہ رشک فردوس ہے تحصیل کیا"۔

"سن ۱۲۰۹ھ میں آب و خور ملک میں بنگالے کھینچ لایا۔ ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ کے اور عصر میں صاحب عدل مارکولیس ولزلی دار الحکومت کلکتہ میں وارد ہوا۔ --- لیکن احوال یہاں کا دیکھ کر اکثر لوگوں سے ترک ملاقات کر کے خانہ نشینی اختیار کی"۔(۱)

اس خود نوشت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خلیل علی خان اشک دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ انکی زندگی کا بیشتر حصہ فیض آباد اور پھر بنگال غالباً مرشد آباد میں گذرا۔ وہ مرزا کاظم علی جوان کے شاگرد تھے۔ انہی کی سفارش پر فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے مگر بااختیار منشیوں سے نباہ نہ ہوسکا اور وہ ملازمت سے فارغ کر دیئے گئے۔ دوسری بار میر نگٹن صاحب کی سفارش پر دوبارہ ملازمت ملی اور انہوں نے "داستانِ امیر حمزہ" مکمل کی۔ اس کے بعد اپنی کتابیں "واقعات اکبر" "انتخاب سلطانیہ" "قصہ رضوان شاہ" اور "منتخب الفوائد" تالیف کیں۔ ان میں سے کوئی کتاب شائع نہ ہو سکی۔ "واقعات اکبر" اور "قصہ رضوان شاہ" کا سرسری ذکر تو کہیں کہیں مل جاتا ہے لیکن "انتخاب سلطانیہ" اور "منتخب الفوائد" کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔

"منتخب الفوائد" محمد منصور ابو الفرح خلیل کی ضخیم فارسی تالیف کا ترجمہ ہے۔ ابو الفرح خلیل نے اسے بڑی جدوجہد سے ہزاروں کتابوں کا انتخاب کر کے تالیف کیا تھا(۲)

خلیل علی خان اشک نے بقول خود زبان اردو میں موافق محاورے کے واسطے مدرسہ عالیہ کے ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ مکمل ہوا تھا۔ کتاب کے نام "منتخب الفوائد سے تاریخ ہجری سنہ ۱۲۲۶ بر آمد ہوتی ہے۔ اس کتاب میں بادشاہوں کے اوصاف، فضائل، عدل و انصاف اور طریقِ حکومت سے متعلق سبق آموز کہانیاں پیش کی گئی ہیں۔ ہتھیاروں جنگ، گھوڑوں کی قسموں، خوبیوں اور کسب علم کے احوال دلچسپ ہیں اور معلومات افزا۔ جنگ اور خونریزی سے بچنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ ضوابط نظم و نسق، طریقِ انصاف اندازِ جہانداری کے موضوعات اس کتاب کی افادیت اور اہمیت کو بڑھادیتے ہیں۔

"انتخاب سلطانیہ" بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے اس میں اشک نے اپنے

---

(۱) بنگال میں اردو ادب (ایم۔ اَین حسن ہاشمی) ص ۲۱۸

(۲) بنگال میں اردو ادب (ایم۔ اَین حسن ہاشمی) ص ۲۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات قلمبند کئے ہیں۔ اس کتاب میں بادشاہوں کے احوال و کوائف میں ایسے واقعات بھی دیئے ہیں جو کہ تاریخ میں نہیں ملتے۔(۱)

یہ کتاب ۱۸۰۴ء میں مکمل ہوئی تھی۔ اشک نے دلی کی بنیاد اور وجہ تسمیہ بھی لکھی ہے اور سلطان معزالدین سام، شہاب الدین محمد غوری سے لیکر شاہ عالم تک کی منتخب تاریخ پیش کی ہے۔ اسے افسانوی تاریخ کہنا مناسب ہوگا۔ تاریخی غلطیاں بے شمار ہیں تاہم زبان سلیس اور رواں دواں ہے۔ "واقعات اکبر" اشک کا عظیم تاریخی کارنامہ ہے۔ یہ کتاب دراصل ابوالفضل کی شہرہ آفاق تصنیف "اکبر نامہ" کا ترجمہ ہے۔ "اکبر نامہ" جیسی مشکل کتاب کا ترجمہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ پھر بھی اشک نے ترجمے کا پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ انداز بیان میں شگفتگی تو پیدا نہ کر سکے تاہم اصل کتاب کی روح ہر جگہ برقرار رکھی ہے۔ یہ کتاب تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ "واقعات اکبر" ایک عہد کی عمدہ اور معتبر تاریخ ہے اس کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ "اکبر نامہ" تو غیر ملکی مؤرخین کے لئے ماخذ بنی رہی ہے۔ "واقعات اکبر" جو اس کا ترجمہ ہے ہمارے لئے اچھے اور معتبر ماخذ کا کام دے سکتی ہے۔

"قصہ رضوان شاہ" کا دوسرا نام "نگار خانہ چین" بھی ہے لیکن قلمی نسخہ میں "قصہ رضوان شاہ" ہی درج ہے۔

یہ کتاب سنہ ۱۸۰۴ء میں مکمل کی گئی تھی۔ اشک نے دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ قصہ کسی فارسی کتاب سے نہیں لیا گیا، بلکہ طبع زاد ہے۔ لیکن داستان کے عنوانات فارسی داستانوں کے طرز پر قائم کئے ہیں۔ افسانوی ماحول بھی ایرانی زیادہ معلوم ہوتا ہے جس سے یہ گمان گذرتا ہے کہ یہ داستان بھی کسی فارسی داستان کا چربہ ہے، لیکن اشک کی زبان، ان کے بیان اسلوب نے اس میں "اوریجنلٹی" پیدا کردی ہے۔ زبان آسان اور عام فہم ہے۔ عبارت سلیس، سہل اور دلچسپ ہے۔ یہ داستان اُردو کی عام مختصر داستانوں کی طرح ہلکی پھلکی اور دلچسپ داستان کہلاسکتی ہے۔ داستان کا قلمی نسخہ ۱۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اور سرورق پر فورٹ ولیم کالج کی مہر ثبت ہے۔

اشک نے گلکرسٹ کی فرمائش پر "رسالہ کائنات" بھی مرتب کیا تھا جو سنہ ۱۸۰۴ء میں مکمل ہوا تھا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اشک شاعر بھی تھے اور کاظم علی جوان سے اصلاح لیتے تھے، لیکن ان کی جو نظمیں یا مثنویاں "داستان امیر حمزہ اور قصہ رضوان شاہ" میں ملتی ہیں، اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ معمولی درجے کے شاعر تھے۔ اسی لئے کسی تذکرۂ شعراء میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

---

(۱) بنگال میں اردو ادب (ایم۔ این حسن ہاشمی) ص ۲۴۱

© rasailojaraid.com